



سوال

(240) حدیث بتیراء

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث بتیراء

الجواب بعون الوهاب بشرط صحیحہ السؤال

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

ایک اہل حدیث دوست کی عنایت سے کبھی بھار ”الہدی“، دیکھنے کو مل جاتا ہے، اس کی اشاعت مورخہ یکم اکتوبر 1952ء میں ایک رکعت وتر کی بابت مولوی اعظم گڑھی کا ایک مفصل فتویٰ نظر سے گزرا، یہ مولوی صاحب افتاء کے اہل بین یا نہیں؟ اس کو تو وہ خود ہی خوب جانتے ہوں گے! ہم نے تو ان کا یہ فتویٰ پڑھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ انہوں نے اپنے اس تنقیدی فتویٰ کے ذریعہ اہل حدیث جماعت کی کوئی اچھی نمائندگی نہیں کی ہے۔

ادارہ ”الہدی“، نے اگر اس تحریر کو بجائے فتویٰ کے ایک مضمون کی حیثیت سے شائع کیا ہوتا، تو چنداں مضائقہ نہیں ہوتا کہ مضمون نگار ہر قسم کے ہوتے ہیں، اور رسالہ اخبار کی پوزیشن اور اغراض و مقاصد سے بسا اوقات بے نیاز ہو کر، کیا کچھ نہیں لکھ ڈالتے حتیٰ کہ اگر ادارہ ان پر اعتماد کر کے ان کا ہر مضمون شائع کر دیا کرے، تو انتخاب کے بعد بھی پورا مضمون جوں کو توں کر دیا کرے، تو پھر اس رسالہ یا اخبار کی خیر نہیں۔

سطور ذیل میں مولوی صاحب موصوف کے اس فتویٰ پر سراسری نظر ڈالنی مقصود ہے، اور امید ہے وہ آئندہ اخذ و نقل اور تنقید و کلام میں احتیاط سے کام لیں گے۔

مولوی صاحب موصوف نے سوال اس ڈھنگ سے بنایا ہے کہ اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ جو تین رکعت سے کم وتر کے قائل نہیں ہیں، اپنے مذہب پر صرف یہی ایک دلیل (حدیث بتیراء) رکھتے ہیں اور فقط اسی ایک حدیث پر ان کے اعتماد ہے۔

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، یہ حدیث تو من جملہ ان کی متعدد دلائل کے ایک دلیل ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کو محض تائیداً پیش کرتے ہیں، اور ان کا اعتماد دراصل دلائل قویہ پر ہے، جیسا کہ بدائع، شرح معانی الآثار، شروح ہدایہ وغیرہ سے ظاہر ہے۔

مولوی صاحب نے ”بتیراء“ کے دو جواب دیے ہیں۔

پہلا الزامی، دوسرا تحقیقی۔



الزامی جواب میں انہوں نے حدیث بقرہ حدیث تیسرا سے جو ضعیف ہے ایک رکعت وتر کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، تو حدیث ابوہریرہ سے جو صحیح ہے مشابہ مغرب تین رکعت وتر کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ پس احناف کو چاہے کہ جیسے ایک رکعت وتر نہیں پڑھتے، تین رکعت بھی مشابہ مغرب کے وتر نہ پڑھیں۔ مطلب آپ کے اس لکھنے کا یہ ہوا کہ اہل حدیث نے ایک ضعیف حدیث (حدیث بقرہ) کا خلاف کیا ہے، تو کیا ہوا! حنفیہ نے تو صحیح حدیث (حدیث ابوہریرہ) کا خلاف کیا ہے۔

ادباً گزارش ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث مشترک الا التزام ہے۔ اگر بظاہر ہمارے حنفیہ کے خلاف ہے تو اہل حدیث کے بھی خلاف ہے، کیونکہ علماء اہل حدیث تین رکعت وتر کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ افضل کہتے ہیں، اگرچہ عوام اہل حدیث کا عمل ایک رکعت پر زیادہ ہے، اس لحاظ سے اہل حدیث پر ڈبل الزام عائد ہوتا ہے یعنی: یہ کہ انہوں نے دو حدیث (حدیث بقرہ، حدیث ابوہریرہ) کی مخالفت کی ہے، رہ گیا مغرب کی مشابہت کا معاملہ تو اس کا جواب آگے آ رہا ہے۔

اس امر پر فریقین کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے تین رکعت وتر تو لا و عمل ثابت ہے، اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث مذکور میں تین رکعت وتر سے منع کیا گیا ہے، اس لیے ہر دو فریق اہل حدیث و حنفیہ ان احادیث کی توجیہ ان کے درمیان تطبیق دینے پر مجبور ہیں اور چونکہ تطبیق کی کوئی خاص نوعیت اور جہت متعین و منصوص نہیں ہے۔ اس لیے ہر صاحب نظر و فکر احادیث متعارضہ کے الفاظ و نیز دیگر احادیث متعلقہ کو سامنے رکھتے ہوئے تطبیق دینے کا مجاز ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں توفیق و تطبیق میں تعداد اور تنوع و اختلاف غیر مستبعد بلکہ گزیر ہے۔ چنانچہ یہاں تطبیق کی حسب ذیل صورتیں نکالی گئی ہیں:

(1) منع والی حدیث (حدیث ابوہریرہ) کا مورد وہ تین رکعت ہے جو دو قعدہ اور

اور ایک سلام کے ساتھ ادا کی جائے، کیونکہ اس صورت میں وتر، مغرب کی نماز کے مشابہ ہو جائے گی۔ اور جواز والی حدیثیں معمول ہیں اس صورت پر کہ جس میں وتر کی تین رکعت ایک قعدہ اور ایک سلام کے ساتھ ادا کی جائے، حافظ ابن حجر شافعی نے اسی طرح تطبیق دی ہے، اور امیر ایمانی نے شرح بلوغ المرام میں اس کی تحسین کی ہے، اور علامہ نیموی کے جواب میں صاحب تحفۃ الاحوزی نے اس توجیہ کی تائید و تقویت کی ہے۔

(2) تین رکعت وتر بہر حال دو قعدہ ایک سلام کے ساتھ ہونی چاہیے، منع کا تعلق اس صورت کے ساتھ ہے جب کہ صرف وتر پر اکتفاء کیا جائے یعنی: اس سے پہلے سنت یا نقل نہ پڑھی جائے، کیونکہ اس صورت میں وتر، مغرب کی فرض نماز کے مشابہ ہو جائے گی اس لیے کہ فرض مغرب سے پہلے سنت پڑھنا مندوب و مسنون نہیں ہے، اور نہ اس پر امت کا تعامل ہے گو مباح اور جائز ہے لکن صرح بہ الشیخ ابن المہام فی فتح القدر اور جواز والی احادیث

کا محمل وہ صورت ہے جب کہ وتر سے پہلے دو رکعت سنت یا نقل ادا کر لی جائے۔ یہ وجہ تطبیق ہمارے فقہاء حنفیہ، امام طحاوی وغیرہ نے اختیار فرمائی ہے۔

(3) نہی معمول ہے کہ رات پر، اور ثبوت والی احادیث معمول ہیں بیان جواز پر۔

پس احوط یہ ہے کہ تین رکعت پڑھی ہی نہ جائے نہ دو قعدہ اور ایک سلام کے ساتھ، اور نہ ایک قعدہ و ایک سلام کے ساتھ، کیوں کہ: ایک تشہد کے ساتھ ادا کرنے میں بھی مغرب کی فرض کے ساتھ فی الجملہ مشابہت موجود رہتی ہے۔ یہ توجیہ شوکانی نے اختیار کی ہے۔

(4) جواز کا تعلق دو سلام والی صورت کے ساتھ ہے اور نہی کا تعلق ایک سلام

والی صورت کے ساتھ، خواہ دو قعدہ کے ساتھ ہو یا ایک قعدہ کے ساتھ، یہ طریق مختار ہے محمد نصر مروزی، یہ کہتے ہیں کہ: ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک تیسری اور چوتھی تطبیق کی طرح پہلی وجہ تطبیق بھی مخدوش ہے۔ اس لیے کہ حدیث ابوہریرہ دو لفظوں کے ساتھ مروی ہے:

1- "لا تو ترا بثلاث تشبہوا بالمغرب، ولكن أوتروا بخمس أو بسبع أو تسع أو بأحدى عشر ركعة، واكثر من ذلك،، (بیہقی 31/3، کتاب الوتر للمروزی ص: 125، طحاوی 1/192، مسند رک للمحکم 1/304).

1- ، لا تو ترا بثلاث، أوتروا بخمس أو بسبع، ولا تشبہوا بصلاة المغرب،، (دار قطنی 26-2/25)

پہلی روایت کا مطلب یہ ہے کہ تین رکعت وتر نہ پڑھو اگر تین رکعت پڑھو گے تو اس کو مغرب کی نماز کے مشابہ کر دو گے، پانچ رکعت وتر پڑھو، یا سات رکعت، یا نو رکعت، یا گیارہ، یا اس سے بھی زیادہ، معلوم ہوا کہ نبی کا محظ اور منخ کا مورد تشبیہ بمغرب نہیں ہے، بل کہ تین کا عدد ہے اور اس کا تشبہ بمغرب لازم ہے جب بھی تین رکعت پڑھی جائے اور جس ہیئت کے ساتھ بھی پڑھی جائے گی مشابہت بمغرب محقق ہو جائے گی۔ اس مشابہت کے رفع کا طریقہ خود اسی حدیث کے آگے جملہ میں مذکور ہے، ارشاد ہے: "ولكن أوتروا بخمس،، الخ معلوم ہوا کہ وتر تین رکعت کے بجائے پانچ یا سات یا نو یا گیارہ ادا کرنا چاہیے اس طرح کہ تین رکعت (وتر) سے پہلے دو چار یا چھ یا آٹھ رکعت نفل ادا کر لی جائے، ظاہر ہے کہ حافظ کی ذکر کردہ وجہ تطبیق سے دونوں حدیثوں (حدیث منخ، و حدیث جواز) کا اختلاف دور نہیں ہوا کیوں کہ حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت میں مطلقاً تین رکعت وتر سے منع کر دیا گیا ہے اور تین رکعت پڑھنے پر مغرب کی مشابہ ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، اور تین کے بجائے پانچ، سات، نو گیارہ، پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کی نظر سے روایت کے یہ الفاظ گزرے نہیں یا گزرے تو لیکن انہوں نے قابل التفات نہیں سمجھا۔

دوسری روایت میں مستقل طور پر دو چیزوں سے منع کیا گیا ہے:

1- ایتار بالثلاث اور تشبیہ بصلاة المغرب اب اگر تین رکعت پڑھنا ہی تشبیہ بمغرب ہے، تو وہی سابق اشکال یہاں بھی یعنی پیدا ہو جائے گا اور اگر تشبیہ سے مقصود کسی خاص مثبت سے ادا کرنا ہے، تو اس خاص صفت اور ہیئت کی تعین پر کوئی قرینہ ہونا چاہیے، جو اس امر پر دلالت کرے کہ اگر اس مخصوص صفت کے ساتھ تین رکعت ادا کی جائے تو مغرب کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی، اور اگر اس ہیئت کے علاوہ دوسری ہیئت پر ادا کی جائے تو مشابہت نہیں ہوگی، اور معلوم ہے کہ حافظ کی ذکر کردہ ہیئت (ایک قعدہ اور ایک سلام والی تین رکعت) پر اس قسم کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، علاوہ بریں اس تطبیق کے رو سے "لا تشبہوا،، پر تو بظاہر عمل ہو جاتا ہے لیکن دوسرے جملہ کا "لا تو ترا بثلاث،، پر عمل نہیں ہوتا یعنی: اس نبی کی حافظ نے کوئی توجیہ بیان نہیں کی۔ ف فیہ اعمال کلمۃ واہمال کلمۃ آخری، و نیز یہ توجیہ جملہ "اوتروا بخمس،، الخ سے بھی صرف نظر کر لینے پر دلالت کرتی ہے، و نیز یہ تطبیق اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس کو ابن حزم نے الحلی 3 47، نسائی 3 235، طحاوی 1 280-285، حاکم 1 304، بیہقی 3 31، دار قطنی 2 33 محمد بن نصر اللیل ص: 122 نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بایں لفظ روایت کیا ہے: "کان لا یسلم فی رکعتی الوتر، و فی روایۃ: لا یسلم فی الرکتین الاولیین من الوتر، و فی روایۃ: کان یوتر بثلاث لا یسلم الا فی آخرہن،، اس حدیث میں وتر کی دوسری رکعت پر صرف سلام کی نفی کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی دوسری رکعت کے بعد قعدہ تشہد کیا کرتے تھے، کیونکہ اگر سلام اور قعدہ تشہد دونوں کی نفی مقصود ہوتی تو لایقہ یا لایقہ کسنا کافی تھا۔ اس لیے کہ قعدہ تشہد فی الصلوۃ کی نفی سلام، تحلیل صلوۃ کی نفی کو مستلزم ہے، اور سلام کی نفی قعدہ تشہد کی نفی کو مستلزم نہیں ہے کالائضحی، اسی لیے بیہقی شافعی نے اس حدیث پر یہ باب منقذ کیا ہے: "باب من اوتر بثلاث موصولات بتشدین و تسلیم،، (السنن الکبریٰ 3/31) اور ابن حزم نے محلی 3 47 میں وتر کی ان تمام صورتوں کو جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں بالتفصیل بیان کرتے ہوئے بارہویں صورت اس طرح تحریر کی ہے: "والثانی عشر: ان المصلی ثلاث رکعات، یجلس فی الثانیۃ، ثم یقوم دون التسلیم، ویاتی بالثانیۃ، ثم یجلس، و یشہد بصلوة المغرب، و یو اختیار آبی حنیفۃ،، انتہی، پھر اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکورہ بایں لفظ روایت کی ہے: "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یسلم فی رکعتی الوتر،، (محلی 47/3)

معلوم ہوا کہ بیہقی شافعی اور ابن حزم ظاہری نے بھی اس روایت سے یہی سمجھا ہے کہ آنحضرت ﷺ تین رکعت وتر دو تشہد اور ایک سلام کے ساتھ ادا فرماتے تھے، پس حافظ کی تطبیق (ایک قعدہ اور ایک سلام) بلاشبہ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ اور اگر ان تمام امور سے قطع نظر کر کے غور کیا جائے تو یہ وجہ تطبیق ہمارے لیے مضرب بھی نہیں، کیونکہ اس کا حاصل اسی قدر تو ہے کہ دونوں نمازوں (وتر اور مغرب) میں سے ایک نماز میں ایک عمل کی زیادت اور دوسری نماز میں اس کی کمی سے مشابہت بمغرب مرتفع ہو جائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ دو قعدہ اور ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر میں دعاء قنوت کی زیادت سے نماز وتر مغرب کی مشابہ باقی نہیں رہتی، اور شوکانی کی ذکر کردہ تطبیق اس لیے صحیح نہیں کہ آنحضرت ﷺ سے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اکثر تین رکعت وتر پڑھنا مروی ہے، پس اس کو مکروہ کسنا صحیح نہیں۔ اکثریت دلیل ہے اس کی افضلیت و اولیت کی، بیا

ان جواز کے لیے کبھی بھجا کر لینا کافی ہے۔

اور محمد بن نصر مروزی کی توجیہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ فصل بالسلام کی وجہ سے تیسری رکعت نئی تحریمہ سے شروع ہوتی تو اصل وہی رکعت وتر ہوتی اور پہلی دو رکعتیں دور کتیں اس سے الگ رہیں، پھر تین رکعت وتر نہیں ہوتی بلکہ صرف ایک رکعت ہوتی۔ اور آں حضرت ﷺ سے بقول ابن الصلاح کے و تراک رکعت فرطابت ہی نہیں۔ نیز قبیراء سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، لہذا صحیح توجیہ و تطبیق وہی ہے جو ہمارے علماء حنفیہ نے اختیار کی ہے امام طحاوی شرح معانی الآثار 1 185 میں فرماتے ہیں: **”کرہ افراد الوتر حتیٰ یسکون معہ شفع، انتہی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول: ”کان الوتر سبعا اور خمسا، والثلاث تبیراء،، روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:**

”فکرہت ان یسجل الوتر ثلاثا، لم یقده من شئی حتیٰ یسکون قبلہن غیرہن،، انتہی، مقصود یہ ہے کہ آپ نے وتر سے پہلے نفل پڑھنے پر ابھارا ہے۔ اگر یہ نفل دور رکعت ہو تو مجموعہ پانچ ہوگا اور اگر چار رکعت ہو تو مجموعہ سات ہوگا۔ وکذا۔

پس حدیث البوہریرہ میں وتر سے صرف وتر اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ معنی اعم مراد ہے جو صلوة اللیل اور وتر مصطلح دونوں کو شامل ہے۔ ابوداؤد 1 127، اور طحاوی 1 185 **”عن عبد اللہ بن قیس قال: قلت لعائشہ: کم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر؟ قالت: یوتر بارج و ثلاث، وست و ثلاث، وثمان و ثلاث، وعشر و ثلاث الخ،، تفصیل جامع الترمذی ”باب الوتر سبع،، 2 319 ملاحظہ ہو۔**

حنفیہ کے اس قول کی کہ حدیث البوہریرہ میں تین رکعت وتر سے پہلے شفع پڑھنے کی تاکید مقصود ہے، تائید و تقویت آثار ذیل سے بھی ہوتی ہے:

(1) **عن ابن عباس: الوتر سبع أو خمس ولا یسکون ثلاثا بتر،، و فی روایہ: ”انی لا کرہ ان یسکون ثلاثا بتر،، و لکن سبع أو خمس،، (شرح معانی الآثار 1/286)۔**

(2) **”وعن عائشہ: ”الوتر سبع أو خمس، وانی لا کرہ ان یسکون ثلاثا بتر،، و فی لفظ: ”أدنی الوتر خمس،،**

یہ آثار صاف طور سے دلالت کرتے ہیں کہ اس امر پر کہ حضرت عائشہ، و ابن عباس کے نزدیک وتر تین رکعت ہے، لیکن صرف تین رکعت پر اکتفا کرنا یعنی: اس سے پہلے نفل نہ پڑھنا مکروہ ہے۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ میں فجر کی نماز صرف دو رکعت پڑھا نہیں سمجھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ فجر کی سنت کے بغیر صرف دو رکعت فرض پر اکتفا کرنے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔

ہماری اس تفصیل سے صاحب تحفۃ الاحوزی کے اس الزام و اعتراض کا جواب بھی ظاہر ہو گیا جو انہوں نے علامہ شوکانی نیموی مرحوم کی تردید میں باس الفاظ ذکر کیا ہے: **”یلزم منہ (ای ما ذکرہ علماءنا حنفیہ من وجہ الجمع بین الحدیثین) أن یسکون التطوع قبل الایثار بثلاث واجبا ووللازم باطل، فالملزوم مثله،، انتہی۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہماری توجیہ کی رو سے تین رکعت وتر سے پہلے ترک تطوع مکروہ ہے حرام نہیں ہے، جیسا کہ امام طحاوی کے قول: کرہ افراد الوتر سے ظاہر ہے، ہاں اہل حدیث کو چاہیے کہ ایک رکعت وتر نہ پڑھیں کیونکہ حدیث البوہریرہ میں وتر پانچ یا سات یا نو یا گیارہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایک رکعت وتر لاشی سمجھ کر چھوڑ دی گئی۔**

مولوی..... صاحب نے حدیث قبیراء کا تحقیق جواب کئی طرح دیا ہے:

(1) پہلا جواب یہ ہے کہ حدیث آخر میں قبیراء کی تفسیر سے متعلق الفاظ **(أن یصلی الرجل واحدا بوترہا)** کا مرفوع ہونا یقینی نہیں۔ احتمال ہے کہ یہ تفسیر

کسی راوی نے کی ہو اور اور راوی کا فہم حجت نہیں۔ پھر مولوی صاحب نے اپنی تائید کے لیے ”درایہ،، 1 192 سے ایک عبارت نقل کی ہے لیکن حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ وہ عبارت مولوی صاحب کی تائید کی بجائے ان کے جواب بالاک تغلیط و تردید کرتی ہے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: **”وتعقب بان فی حدیث ابی سعید نفسہ، أن یصلی الرجل واحدا بوترہا، و ہذا مرفوع، أو من تفسیر الراوی، و ہو أعلم رومی،، انتہی۔**



مولوی صاحب نے حافظ کے اس کلام کو سمجھا ہی نہیں ورنہ اس کو اپنی تائید میں ہرگز نہ ذکر کرتے۔ مولوی صاحب نے کتب اصول حدیث میں مدرج کی بحث پڑھی ہوگی جس میں یہ مرقوم ہے کہ: ”ویدرک ذلک (آی اللادراج) لورودہ منفصلانی روایۃ آخری، أوبالتخصیص علی ذلک من الراوی، أوبعض الآئمۃ المطلقین، أوباستحالة کونہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ذلک، (تدریب الراوی 267/1)، ”ولایسوخ بالحکم بالادراج إلا إذا وجد ما يدل علیہ، الخ (توجیہ النظر ص: 172) اور ادراج سے متعلق حافظ کا یہ کلام بھی نظر سے گزرا ہوگا۔ ”إن الاصل عدم الإدراج، حتی یثبت بالتفصیل فہما مضمونضالی الحدیث فہو منہ، (فتح الباری)

مولوی صاحب بتلائیں یہاں اس تفسیر کے مدرج ہونے پر کون سی دلیل ہے؟ اور جب کوئی ادراج کی نہیں ہے تو اس کے مرفوع ہونے میں شک کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ اور اگر بالفرض یہ تفسیر کسی صحابی یا نیچے کے کسی راوی کو ہو تو پھر بھی یہ بہر حال معتبر ہوگی۔ لآن الراوی أعلم بما روی کما قال الحافظ، ولآن تفسیر راوی الحدیث، مقدم علی تفسیر غیرہ کما قال الزیلعی، یہاں فہم راوی کی حیثیت و عدم محبت کی بحث بے محل ہے، راوی کے فہم کا حجت نہ ہونا اور چیز ہے اور اس کی اپنی روایت کردہ حدیث کی تفسیر و ترجمانی کا مقدم و معتبر ہونا شئی دیگر ہے۔

مولوی صاحب نے حدیث تیرا کا دوسرا جواب یہ دیا ہے: ”حضرت ابن عمر نے تیرا کی یہ تفسیر کی ہے کہ دوسری رکعت ناقص رکوع و سجد کے ساتھ ادا کی جائے۔ اس تفسیر کی بناء پر حدیث تیرا سے ایک رکعت و تر پڑھنے کی ممانعت نہیں ثابت ہوتی،۔

مولوی صاحب سنئے! اسی جواب پر حافظ نے تعقب مذکور بالا وارد کیا ہے دوبارہ پڑھیے: ”و تعقب، بأن فی حدیث ابن سعید نفعہ، ان یصلی الرجل، واحدة لم ترہا، و ہذا مرفوع، أو من تفسیر الراوی، و ہذا علم بما روی، اور حافظ زبلی نصب الراہ (2/120، 172) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی تفسیر تیرا والی حدیث کے بعد لکھتے ہیں: ”وہذا ان صح عن ابن عمر فی حدیث النبی ما یرودہ، و تفسیرہ راوی الحدیث مقدم علی تفسیرہ غیرہ، بل ظاہر اللفظ انہ من کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم، انتہی۔

(3) تیسرا جواب مولوی صاحب موصوف نے یہ دیا ہے کہ حدیث تیرا ضعیف ہے اس کی سند میں عثمان بن محمد بن ربیعہ واقع ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔ عبدالحق اشبیلی نے ”الاحکام، میں اور ابن القطان نے ”الوہم والایہما، میں لکھا ہے: ”الغالب علی حدیث عثمان بن محمد الوہم،۔

علامہ ابن الرکمانی اس کا یہ جواب دیتے ہیں: ”ہذا الکلام خفیف، وقد أخرج لہ الحاکم فی المستدرک، (النجبر النقی مع السنن الکبری 73/2) علاوہ بریں یہ معلوم ہے کہ ابن القطان الفاسی متعنت و متشدد ہیں، ذہبی لکھتے ہیں: ”طالعت کتابہ المسمی بالوہم والایہما، الذی علی الأحکام الکبری لعبدالحق، یدل علی حفظہ وقوة فہمہ، لکنہ تعنت فی احوال رجال فما انصف، بحیث أنہ أخذ یلین ہشام بن عروہ ونحوہ، انتہی (تذکرۃ الحافظ 4/1407) بہر کیف عثمان بن محمد لیسے راوی ہیں کہ ان کی روایت قابل احتجاج و لائق استناد نہ ہو۔

نتیجہات

(1) مولوی صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ حدیث تیرا بالاتفاق ضعیف و مرسل ہے اس پر عرض ہے کہ اس حدیث کے دو طریق ہیں:

1- ابن عبد البر کا ”تسمید، میں روایت کردہ طریق۔

2- محمد بن کعب قرظی کا طریق، جس کو نووی نے ”خلاصہ، میں بغیر کسی مزج کی طرف منسوب کئے ہوئے ذکر کیا ہے۔

پہلا طریق مرسل نہیں، بلکہ موصول ہے اور اس کی صرف عقلی، ابن القطان، عبدالحق، حافظ ابن حجر نے تضعیف کی ہے۔ اس تضعیف کی وجہ مع جواب کے گزر چکی ہے، پس اس حدیث کو بالاتفاق ضعیف و مرسل کہنا غلط و مردود ہے

البتہ دوسرا طریق مرسل ہے اور اسی طریق کو نووی، اور عراقی نے ”مرسل ضعیف، کہا ہے اور ابن حزم نے ”غیر صحیح، لکھا ہے۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ حدیث مرسل جمہور اصولیین وائمہ کے نزدیک حجت ہے لایسا إذا اعتضد بالموصول۔ بہر حال حدیث تیرا کو مطلقاً ضعیف، مرسل کہنا غلط اور باطل ہے۔



(2) مولوی صاحب لکھتے ہیں ”احکام الاحکام شرع عمدة الاحکام،، میں ہے: ”ذہبت المادویة، وبعض الحنفیة إلى أنه لا يجوز الإبتار بركة،، الخ

افسوس ہے کہ آپ ”احکام،، اور اس کی تعلیق میں فرق و امتیاز نہ کر سکے، عبارت منقولہ احکام الاحکام کی نہیں ہے بلکہ حاشیہ کی ہے جس کا منصف نہ جانے کون ہے؟ اور اس نے یہ عبارت نیل الاوطار سے 278 سے لی ہے۔ کاش آپ نے ”نیل الاوطار،، ملاحظہ کر لیا ہوتا۔

(3) مولوی صاحب نے بذل الجہود کی عبارت ادھوری نقل کی ہے، پوری عبارت درج ذیل ہے اور اس میں آپ کی تردید بھی موجود ہے: قال القاری: وقد ورد النہی عن البتراء ولوکان مرسلًا، إذا مرسل صحیح عندنا، لجمہور النہی، قال النووی فی الخلاصة: ”حدیث محمد بن کعب القرظی فی النہی عن البتراء مرسل وضعیف،، (بذل 92/324)۔

یہ گزر چکا ہے کہ ہمارا اعتماد و صرف اس مرسل پر نہیں ہے اگرچہ وہ عندنا لجمہور حجت شرعی ہے۔

(4) آپ نے ”لسان المیزان 4 152 سے ابن القطان کا پورا کلام نہ جانے کیوں نقل نہیں کیا؟ ان کا بقیہ کلام یہ ہے کہ ”مالم یعرف عدالتهم، و لیس دون الدر اوروی (عبدالعزیز بن محمد، شیخ عثمان بن محمد) من یغض عنک، قلت (قائلہ الحافظ): یرید بذک عثمان وحده، و لإبائی الإسناد ثقات مع احتمال أن ینحی علی ابن القطان حال بعضهم،، انتہی

اس حدیث کو شافعی نے کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ لسان سے ابن القطان کا ادھورا کلام نقل کرنا مولوی صاحب کے لیے کچھ مفید نہیں۔

عبداللہ رحمانی مبارکپوری

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

جلد نمبر 1

صفحہ نمبر 363

محدث فتویٰ